تکفیر: شرعی اصول و قواعد

The legitimate Authority and Conditions that Permit the Issuance of Takfir

Dr. Ismatullah*

Abstract

The authority to declare someone unbeliever cannot be given to common people in Islamic Societ- Ifta is considered a great rank and honorable position. Mufti must be expert in varias Fields of knowledge .This article explores the required conditions for Takfir.

Keywor,s: Takfeer, Shariah Terms & Conditions for Takfir.

اس وقت امت مسلمہ میں بالعموم اور ہمارے ملک و معاشرہ میں بالخصوص اسلام کے چاہنے، ماننے والوں اور لادین طبقہ کے درمیان ایک کشمکش برپا ہے، اور سیکولر طبقات مسلمانوں کی عمومی زندگی سے ہی نہیں بلکہ ریاست اور اس کے اداروں سے بھی اسلام، دینی علامات اور شعائر کو مٹانے، دور کرنے کی بھرپور کوشش کررہے ہیں. اسلام کے شعائر، امت مسلمہ کی محترم اور مقدس شخصیات کو نشانہ بنایا جارہا ہے، ان کی توہین و تضحیک کی جارہی ہے، اس کام میں ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ سادہ لوح ایمان والے یا لادین عناصر کو استعمال کیا جارہا ہے جو ایمان و کفر کی حدود سے لاعلم ہیں یا ان حدود کو کوئی اہمیت دینا ضروری خیال نہیں کرتے. دوسری طرف خود اسلام کے ماننے والوں کے درمیان بھی کوئی قابل رشک صورت اتحاد و اتفاق کی نہیں ہے، فرقہ واریت کا زہر ہے اور ایک دوسرے کے خلاف تکفیر و تفسیق اور تضلیل کے فتاوی صادر ہورہے ہیں. اور فتنہ کی سی صورتِ حال واضح نظر آرہی ہے. اس فتنۂ تکفیر کی جڑیں قدیم ہیں، تاریخی لحاظ سے امت مسلمہ میں سب سے پہلا اور خطرناک ترین فتنہ تکفیر ہی کا تھا۔

قرنِ اول میں خوارج نے تکفیر و تفسیق میں غلو سے کام لیا، حتی کہ حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنھم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا، اور دہشت گردانہ اور قاتلانہ حملوں کا نشانہ بنانے کے لیے بلدِ حرام مکہ میں بیٹھ کر سازش تیار کی، اور منصوبہ کے مطابق خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ تعالی

---

*Ex. Pro. Islamic Research Institute , International Islamic University, Islamabad

عنہ کوایک خارجی عبدالرحمن بن ملجم مرادی، مصری نے کوفہ کی مسجد میں فجر کی نماز کے لیے آتے ہوئے قاتلانہ حملے کا نشانہ بنایا. حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برک بن عبداللہ نے فجر کے وقت نماز کے لیے آتے ہوئے قتل کرنے کی کوشش میں زخمی کردیا،اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کروادیا، حضرت عمروبن العاص رضی اللہ عنہ پر نماز فجر میں عمروبن بکر تمیمی نے–منصوبہ کے مطابق-قتل کرنا تھا، لیکن اس روز پیٹ میں شکایت ہوئی اور نماز کے لیے نہ آسکے،انھوں نے اپنے پولیس چیف خارجہ بن ابي حبیب کو امامت کا حکم دیا، جن کو عمرو نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے شبہہ میں قتل کردیا.[1]

خوارج کے فتنہ تکفیر کے نتیجہ میں امت مسلمہ تقسیم ہوئی، قتل وغارت اور ناحق خونریزی سے ہزاروں بے گناہ لوگ اپنی جان ومال سے محروم ہوئے. خوارج کا وجود ختم ہوگیا لیکن ان کی تکفیری فکر ابھی ختم نہیں ہوئی،اور اسی تکفیری فکر کی وجہ سے آج عالم اسلام کے کئی ممالک میں فساداور خانہ جنگی اور ہیجان کی کیفیت برپاہے، کفار ومشرکین نے مشکل وقت میں اپنے دشمن کو ختم کرنے کے لیے جن مسلمان "حریت پسندوں" اور "مجاہدین" کی مدد کی تھی انہی کو دہشت گرد قرار دے دیا گیااور ان کو ہر قسم کے ظلم وتعذیب اور دہشت گردی کا نشانہ بنایا جارہا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جوابا انھوں نے بھی دہشت گردی کی اس جنگ میں جارح مغربی ممالک کا ساتھ دینے والے مسلم حکمرانوں اور ان کے اداروں اور فورسز کے خلاف کھلی یاچھپی جنگ شروع کرر کھی ہے،ان کا موقف بھی یہی ہے کہ یہ مسلح جدوجہدان لوگوں کے خلاف شروع کی گئی ہے جو مختلف وجوہات کی بناپر مرتد ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہوچکے ہیں.

اس صورت حال میں عوام الناس ہی نہیں بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ اور نیم خواندہ علما بھی واضح شرعی موقف کے معاملہ میں پریشان ہیں؛اس لیے بہت ضروری ہے کہ دین اسلام کی رہنمائی کو زیادہ واضح کیا جائے کہ کفر کیا ہے؟ اور کیا تکفیر شریعت کے مقاصد سے ہم آہنگ ہے؟اس کے بنیادی اصول وضوابط کیا ہیں؟ اور تکفیر کا حق کس کو ہے؟یہی وہ سوالات ہیں جن کا جواب اس تحریر میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے،اور مختصراًان بنیادی اصول وقواعد کو بیان کیا گیاہے جن کو کسی مسلمان شخص کے ایمان اور کفروارتداد کے متعلق رائے قائم کرتے وقت ملحوظ رکھنا شرعاضروری ہے.

1-امام طبرانی نے خوارج کے منصوبہ سازش کی بعض دلچسپ تفصیلات ذکر کی ہیں، ملاحظہ ہو: سلیمان بن احمد طبرانی،(م: ۳۶۰ھ) المعجم الکبیر للطبرانی، محقق: حمدی بن عبدالمجید السلفی (قاہرہ، مکتبہ ابن تیمیہ، س۔ن)، ج۱، ص ۱۰۴ ح:۱۶۸

1. تکفیر میں جلد بازی، بے احتیاطی کی ممانعت

سب سے اولین قاعدہ یہ ہے کہ تحلیل و تحریم کی طرح، کسی شخص کے کفر وایمان کا فیصلہ کرنے کا اختیار بھی شارع کا حق ہے اور کسی مسلمان کے عقیدہ ایمان و کفر کا فیصلہ، کسی صورت میں کسی کی ذاتی خواہش، سوء ظن، غلط فہمی، فرقہ وارانہ تعصب یا دشمنی کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا. اسی طرح کسی مسلمان کی تکفیر یا اس کو مشرک وبدعتی، یا فاسق وفاجر قرار دینے یا کسی کے کفر وایمان کا فیصلہ کرنے کا حق واختیار عوام الناس، دین سے ناواقف لوگوں یا میڈیا کو نہیں دیا گیا بلکہ صرف راسخ اہل علم وافتاء، مضبوط شرعی دلائل کی بنیاد پر کر سکتے ہیں.

اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ جس شخص کو شارع نے نام کی تعیین و تحدید کے ساتھ (جیسے ابلیس وفرعون، ابولھب) یا کسی گروہ کا نام لے کر اجتماعی طور پر (جیسے گروہِ یہود ونصاری، یا مجوس وغیرہ) یا کسی وصف و فعل کے ساتھ متصف ہونے (جیسے اللہ تعالی، اس کے کسی پیغمبر، قرآن مجید، دین اسلام یا اس کے شعائر کی توہین) کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہو، اس کے کافر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے.

دوسری بات یہ ہے کہ کسی قول وفعل یا تصرف کو اگر صراحت کے ساتھ شرعی نصوص میں کفر قرار دیا گیا ہو، تب بھی ضروری نہیں کہ اس کے مرتکبین دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں؛ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی تارکِ نماز کے بارے میں یہ راے رکھتے ہیں کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا حالانکہ احادیث میں ترک صلاۃ کو کفر قرار دیا گیا ہے.

امت مسلمہ کے اسلاف میں تکفیر وتفسیق کا طریقہ نہیں تھا، اور وہ اس ضمن میں ارشادات نبوی ﷺ کی وجہ سے بہت احتیاط سے کام لیتے تھے جن میں کسی کی تکفیر میں جلد بازی اور بے احتیاطی کی سخت ممانعت کی گئی ہے. اس ضمن میں کئی صحابہ کرام سے روایات آئی ہیں، جن میں حضرت انس بن مالک[2]، حضرت ابو ذر غفاری،[3] حضرت ثابت بن ضحاک[4]، حضرت ابوہریرۃ[5]، حضرت عبداللہ بن عمر[6]، حضرت ابوسعید خدری[7] رضی اللہ عنھم اجمعین شامل ہیں.

2-سعید بن منصور (م: ۲۲۷ھ) السنن، (الدار السلفیۃ الھند، ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۲ء)، ج ۲، ص ۱۷۶، ح: ۲۳۶۷

3-محمد بن اسماعیل البخاری، الصحیح، (دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)، باب ما ینہی من السباب و الکفر: ح ۶۰۴۵

4-بخاری، الصحیح، باب ما ینہی من السباب واللعن: ح ۶۰۴۷ وفي باب من كفّر أخاه بغير تأويل فهو كما قَالَ: ح ۶۱۰۵

5-بخاری، الصحیح، باب من كفّر أخاه بغير تأويل فهو كما قَالَ: ح ۶۱۰۳

امام ابن الوزیر صنعانی، محمد بن ابراہیم بن علیؒ (۷۷۵-۸۴۰ھ) مسلمانوں کی تکفیر سے ممانعت والی احادیث کو متواتر قرار دیتے ہیں۔[8]

حضرت ابوذرؓ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا: لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ"[9] جس شخص نے بھی کسی کو فسق وفجور، اور کفر کا الزام دیا، اگر وہ اس طرح نہ ہو، تو یہ بات خود کہنے والے پر لوٹ آئے گی۔

2. اصولاً ہر انسان مسلم، اور اس کا دین اسلام ہے، کفر عارض ہے۔

دوسرا اہم قاعدہ یہ ہے کہ ہر انسان فطرۃ اور پیدائشی طور پر مسلمان ہے، اس کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام اللہ رب العالمین کے فرمانبردار، نوع انسانی کی جانب اولین پیغمبر تھے۔ اور ان کی اولاد بھی اصلاً مسلم ہی تھی بعد میں کفر وشرک اور معصیت میں مبتلا ہو کر لوگ اللہ تعالی کے دین سے دور ہوتے گئے، اللہ تعالی فرماتے ہیں: وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلاَّ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُواْ وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ.[10]

سب انسان ایک ہی امت تھے، پھر ان میں اختلافات پیدا ہوئے، اور اگر تمھارے رب کا فیصلہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو ان لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ یہیں پر کر دیا جاتا۔

حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اللہ تعالی کی طرف سے سب سے پہلے خلیفہ تھے: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُواْ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَاء وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ.[11]

6- بخاری، الصحیح، باب من كفّر أخاه بغير تأويل فهو كما قَالَ: ح ۶۱۰۴، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قَالَ لأخيه المسلم: ياكافر: ۶۰ وصحيح ابن حبان ۱/۴۸۳، ذكر البيان بأن من أكفر إنسانا فهو كافر: ۲۴۹ ومسند ابو عوانه، ج ۱، ص: ۱۳۲، ح: ۵۴

7- ابن حبان، الصحيح، ذكر البيان بأن من أكفر إنسانا فهو كافر لا محالة: (مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۸ھ)، ج ۱، ص ۴۸۳، ح ۲۴۸

8- محمد بن ابراہیم قاسمی، إيثارالحق على الخلق في ردالخلافات للمذهب الحق من أصول التوحيد، (بيروت دارالكتب العلمية)، ۱۹۸۷م، ص: ۳۸۱

9- بخاری، الصحیح، باب ما ينهى من السباب و الكفر: ح ۶۰۴۵

10- یونس ۱۰: ۱۹

11- البقرۃ ۲: ۳۰

"پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں انہوں نے عرض کیا، کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خون ریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لیے تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں" فرمایا" میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے"

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ منصبِ خلافت الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو بھی حاصل ہے

چنانچہ سورہ انعام میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ[12]

"وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیے، تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بیشک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور بہت در گزر کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے".

سید ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ تعالی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں:

اس فقرہ میں تین حقیقتیں بیان کی گئی ہیں:

> ایک یہ کہ تمام انسان زمین میں خدا کے خلیفہ ہیں، اس معنی میں کہ خدا نے اپنی مملوکات میں سے بہت سی چیزیں ان کی امانت میں دی ہیں اور ان پر تصرف کے اختیارات بخشے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان خلیفوں میں مراتب کا فرق بھی خدا ہی نے رکھا ہے، کسی کی امانت کا دائرہ وسیع ہے اور کسی کا محدود، کسی کو زیادہ چیزوں پر تصرف کے اختیارات دیے ہیں اور کسی کو کم چیزوں پر، کسی کو زیادہ قوت کارکردگی دی ہے اور کسی کو کم، اور بعض انسان بھی بعض انسانوں کی امانت میں ہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ سب کچھ دراصل امتحان کا سامان ہے، پوری زندگی ایک امتحان گاہ ہے، اور جس کو جو کچھ بھی خدا نے دیا ہے اسی میں اس کا امتحان ہے کہ اس نے کس طرح خدا کی امانت میں تصرف کیا، کہاں تک امانت کی ذمہ داری کو سمجھا اور اس کا حق ادا کیا، اور کس حد تک اپنی قابلیت یا نا قابلیت کا ثبوت دیا۔ اسی امتحان کے نتیجہ پر زندگی کے دوسرے مرحلے میں انسان کے درجے کا تعین منحصر ہے"[13]

12-الانعام ۶: ۱۶۵ نیز ملاحظہ ہو قرآنی آیات: النمل ۲۷: ۶۲، یونس ۱۰: ۱۴، فاطر ۳۵: ۳۹

13-سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، سورہ انعام، حاشیہ نمبر: ۱۴۶، ج ۱

اور اس خلافت الٰہی سے مقصود انسان کی تکریم و اعزاز[14] کے علاوہ زمین کی آبادکاری و ترقی[15] اور اللہ تعالی کے احکام وفرامین کی تنفیذ و تعمیل ہے.

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلم اور نبی ہے،ان کو اللہ تعالی نے علم کے ساتھ اپنی خلافت سے نوازا، آدم علیہ السلام کی اولاد نے اپنے والد سے وراثت میں ایمان کے ساتھ والد کی خلافت – بمعنی جانشینی - اور اللہ تعالی کی طرف سے بھی خلافت - بمعنی نیابت - پائی. ایک حدیث قدسی حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت سے بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ دیا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا.[16]

میں نے اپنے بندوں کو توحید پر یکسو اور مسلم پیدا کیا، اب شیاطین (جن وانس) نے آکر ان کو ان کے اصل دین سے پھیر دیا، اور میرے حلال کردہ کو ان پر حرام کیا، اور ان کو میرے ساتھ ایسے شریک اور حصہ دار ٹھرانے پر آمادہ کیا جن کے لیے میں کوئی سند اور اتھارٹی نازل نہیں کی تھی. اسی طرح شریعت نے ہر نومولود بچے کو فطرۃ اور خلقۃ مسلم قرار دیا ہے.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ اسلامی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنالیتے ہیں جس طرح جانور صحیح سالم عضو والا بچہ جنتا ہے، کیا تم اس میں سے کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت آخر تک تلاوت کی: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًافِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ.[17]

پس یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالی نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں.

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

14- الاسراء:۷۰ میں فرمایا:{وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ}. ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ایک تکریم و اعزاز بخشا ہے۔

15- جیساکہ سورہ ہود:۶۱ میں فرمایا:{هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا}

16- مسلم بن حجاج، قشیری، الصحیح، باب الجنة وصفة نعيمها وأهلها: ح۶۳

17- بخاری، الصحیح، باب إذاأسلم الصبي فمات هل يصلى عليه: ح۱۲۷۱

'الدین' سے مراد اللہ کا حقیقی دین۔ اسلام۔ ہے جس کی دعوت اس کے تمام نبیوں اور رسولوں نے دی اور جس کی تکمیل نبی امی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ سے ہوئی۔ یہی دین اللہ تعالیٰ کا اصلی دین ہے چناچہ فرمایا ہے: ان الدین عند اللہ الاسلام (اصل دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے)...'فطرۃاللہ التی فطر الناس علیہا'... یعنی ہر طرف سے کٹ کر اس دین فطرت کی پیروی کرو جس پر فاطرِ فطرت نے لوگوں کو پیدا کیا ہے... یہ اس 'الدین' کی صحت وصداقت کی دلیل بیان ہوئی ہے جس کی طرف یکسو ہونے کی اوپر والے ٹکڑے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ دین کوئی خارج کی چیز نہیں ہے جو تم پر اوپر سے لادی جا رہی ہو، بلکہ یہ عین تمہاری فطرت کا بروز اور تمہارے اپنے باطن کا خزانہ ہے جو تمہارے دامن میں ڈالا جا رہا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو فلسفی یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک صفحہ سادہ اور تمام تر اپنے ماحول کی پیداوار اور الف وعادت کی مخلوق ہے، ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین ساخت اور بہترین فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اس کو خیر وشر اور حق وباطل کی معرفت عطا فرمائی ہے اور نیکی کو اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کا جذبہ بھی اس کے اندر ودیعت فرمایا ہے، لیکن اس کی یہ فطرت حیوانات کی جبلت کی طرح نہیں ہے کہ وہ اس سے انحراف نہ اختیار کر سکے بلکہ وہ اپنے اندر اختیار بھی رکھتا ہے، اس وجہ سے بسا اوقات وہ اس دنیا کی محبت اور اپنی خواہشوں کی پیروی میں اس طرح اندھا ہو جاتا ہے کہ حق وباطل کا شعور رکھتے ہوئے نہ صرف باطل کی پیروی کرتا ہے بلکہ باطل کی حمایت میں فلسفے بھی ایجاد کر ڈالتا ہے۔

3. دین وایمان کی حفاظت شریعت کا اولین اور سب سے اہم مقصد ہے.

شریعت کو انسان کا دین وعقیدہ بہت عزیز ہے، اسی کی بنیاد پر اس کا حساب کتاب ہو گا، اس لیے ایمان اور عقیدہ کی حفاظت کو مقصود قرار دے کر بے شمار نصوص میں اس کی تاکید آئی ہے، اور مقاصدِ شریعت میں اس کو اولین اور سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے، گویا" سب سے پہلے دین وایمان" جس کی خاطر انسان کی جان، مال، عقل اور عزت وآبرو بھی قربان.

دین وایمان کی طرف دعوت کی خاطر انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا:وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ.[18]

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور وہ تم سے عہد لے چکا ہے اگر تم واقعی ماننے والے ہو".

18- الحدید۵۷:۸

نبی ﷺ کفار و مشرکین کی ہدایت اور ایمان لانے کو بہت اہمیت دیتے، اور ہر ممکن کوشش کرتے تھے حتی کہ اس بارے میں فکر و سوچ اور محنت سے اپنے آپ کو گھلائے دے رہے تھے کہ رب کریم نے خود اس کو اپنی کتاب میں ثبت فرمادیا: {فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا}[19]

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم ان کے پیچھے رنج و فکر کر کر کے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے!

اور دین و ایمان کی دعوت تو انبیاے کرام اولیاے عظام اور صلحاے امت کا طریقہ اور نقش قدم ہے: قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَاْ وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللّهِ وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ[20]

"کہہ دو میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر۔ میں بھی (لوگوں کو اللہ تعالی کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی۔ اور اللہ پاک ہے۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ان سب آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ ہر نومولود بچہ جو کسی انسان کے نطفہ سے پیدا ہوا، اور بالخصوص اسلامی معاشرہ میں پیدا ہونے والا ہر بچہ شریعت کی نظر میں فطرۃ مسلم ہے۔

4. ایمان کا یقین کفر وارتداد کے شک سے ختم نہیں ہو سکتا.[21]

فقہ کے مشہور پانچ بنیادی اور کلی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ: "الْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ"

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ یقینی طور پر منفی یا مثبت طور پر معلوم ہو جائے تو بعد میں آنے والے کسی بھی شک و تردد سے وہ یقین ختم نہیں ہو گا.

یہ قاعدہ فقہی مسائل (فقہ اصغر) کے علاوہ ایمانی و کلامی مسائل (فقہ اکبر) کو بھی محیط ہے. بالخصوص ہر وہ مسئلہ جس میں شک و یقین کی دونوں جہتیں پائی جائیں تو شک کو چھوڑ کر یقین والی جہت کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ: الشَّكُّ أَضْعَفُ مِن الْيَقِيْنِ فَلَا يُعَارِضُهُ ثُبُوْتًا وَّعَدَمًا".[22]

19- الکھف ۱۸:۶

20- یوسف ۱۲:۱۰۸

21- ملاحظہ ہو: مجلة الأحكام العدليةص:۴، الأشباه والنظائر لابن نجيم ص:۵۵، الأشباه و النظائر للسيوطي ص:۵۰ قواعد الونشريسي القاعدة:۲٦، تأسيس النظرللدبوسي ص: ۱۰، ۱۱۰

22- شرح مجلة الأحكام العدلية للأتاسي، ج۱، ص۱۸

شک یقین سے بہر حال کمزور ہے اس لیے ثبوت وعدم ثبوت دونوں میں اس کے مقابلے میں نہیں آسکتا.

اسی لیے اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں:إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا[23]

یہ لوگ صرف ظن پر چلتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا.

اس آیت میں یقینی طور پر ثابت شدہ چیز- حق- کو چھوڑ کر، ظن و تخمین کے پیچھے چلنے والوں کی مذمت کی گئی ہے.

چونکہ تکفیر کے نتیجے میں متاثر شخص کی زندگی ہی نہیں بلکہ اس کے خاندان اور معاشرہ پر بہت ہی اہم اثرات اور خطیر نتائج مترتب ہوتے ہیں اس لیے صرف شک وشبہہ یا ظن کی بنیاد پر کسی مسلمان کی تکفیر درست نہیں، شریعت نے ادنی شبہہ کی بنیاد پر حدود کی سزاؤں کو ساقط کر دیا حالانکہ حدود کی تنفیذ کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ انسان کی جان جاتی ہے، کسی بھی شخص کا ایمان اس کی زندگی اور جان کے مقابلے میں زیادہ قیمتی، مقدم اور افضل واولی ہے اس لیے محض شکوک وشبہات کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا.

اسی قاعدہ کا ایک ذیلی قاعدہ یہ ہے: "مَا ثَبَتَ بِيَقِينٍ لَا يَرْتَفِعُ إِلَّا بِيَقِينٍ"[24]

جو بات یقینی طور پر ثابت ہو، وہ صرف یقین سے ہی ختم ہوسکتی ہے.

اس لیے جس کا مسلمان ہونا یقین کے ساتھ ثابت ہو اس پر کفر وارتداد کا حکم لگانے کے لیے یقینی اور مسلم دلیل کی ضرورت ہوگی. اس لیے محقق اہل علم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کسی کے کفر وارتداد کے سو میں سے ننانوے احتمال موجود ہوں تب بھی شرعی نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک احتمال کو ترجیح دے کر اس کو مسلمان شمار کیا جائے.

5. ظاہر حال سے قطع نظر، پوشیدہ ایمانِ قلب مقبول ہے

شریعت کی نظر میں کسی بھی شخص کا ایمان واسلام بہت اہم، مطلوب ومقصود اور مقبول ہے، خواہ وہ دل میں پوشیدہ ہی کیوں نہ ہو، جس پر کوئی انسان مطلع نہیں ہوسکتا، اس کی واضح دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ کا قصہ ہے، جسے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا:مَن كَفَرَ بِاللّهِ مِن بَعْدِ إيمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ وَلَكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ[25]

23- النجم ۵۳:۲۸

24-ملاحظہ ہو: الأشباه والنظائر لابن نجيم ص:۵۹وللسيوطي ص:۵۵

25-النحل ۱۶:۱۰۶

اس کی تفصیل کتب حدیث وسیرت اور تفسیر میں موجود ہے وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ وہ مشرکین کے ہتھے چڑھ گئے اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہہ کر ان کے باطل معبودوں کی تعریف نہیں کر دی، جب نرغے سے نکل پائے تو روتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عمار! کیا بات ہے؟ آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم): مشرکوں نے پکڑ لیا تھا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپ کی شان میں گستاخانہ کلمات نہیں کہہ دیے، اور ان کے جھوٹے معبودوں کا ذکر خیر نہیں کر دیا، تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کہو دل کی کیفیت کیا ہے؟ تو عرض کی: دل ایمان پر مطمئن ہے" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دوبارہ ایسی حالت میں گرفتار ہو جاؤ تو اسی طرح کرو۔[26]

اس کی دوسری مثال شدت مسرت وفرحت میں، بغیر قصد وارادہ کے کلماتِ کفر کا زبان پر جاری ہو جانا ہے جیسے حضرات انس بن مالک، عبداللہ بن مسعود، نعمان بن بشیر، براء بن عازب رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَأَيِسَ مِنْهَا فَأَتَى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ فَبَيْنَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اللهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ.[27]

حضرت حارث بن سوید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوا اور وہ بیمار تھے تو انہوں نے ہمیں دو حدیثیں بیان کیں ایک حدیث اپنی طرف سے اور ایک حدیث رسول اللہ سے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک سنسان اور ہلاکت خیز میدان میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی سواری ہو جس پر اس کا کھانا پینا ہو، پھر وہ سو جائے جب بیدار ہو تو دیکھے کہ اس کی سواری جا چکی ہے وہ اس کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ اسے سخت پیاس

26-المستدرك على الصحيحين، ج۲، ص۳۸۹، ح:۳۳۶۲وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه وقال ابن حجر في فتح الباري:هومرسل ورجاله ثقات. وهذه المراسيل تقوي بعضها بعضا، ج۱۲، ص۳۱۲

27-مسلم،باب في الحض على التوبة والفرح بها:ح۴۹۳۲و أصله متفق عليه من حديث ابن مسعود وأنس. زاد مسلم في حديث أنس "ثم قال من شدة الفرح: اللهم أنت عبدي وأنا ربك،أخطأ من شدة الفرح" ورواه مسلم بهذه الزيادة من حديث النعمان بن بشيرومن حديث أبي هريرة مختصرا.

لگے پھر وہ کہے: میں اپنی جگہ پر سو جاؤں گا یہاں تک کہ مر جاؤں. پس اس نے اپنے سر کو اپنی کلائی پر مرنے کے لیے رکھا پھر بیدار ہوا تو اس کی سواری اس کے پاس ہی کھڑی ہو اور اس پر اس کا زادِ راہ اور کھانا پینا ہو" پھر زیادہ خوشی کی وجہ سے وہ یہ غلط کلمات کہہ دے: اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں" تو اللہ تعالی مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی کی سواری اور زاد راہ ملنے کی خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے.

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اگر کوئی شخص ایسے کفریہ کلمات دہشت، ذہول ونسیان کی کیفیت میں، یا کسی علمی یا شرعی فائدہ کی خاطر ذکر کرے تو اس پر کوئی گرفت نہیں. اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس شخص کے کلمات کو ذکر کیا. [28]

توہینِ رسالت کے حوالے سے ظاہر حال کو ترک کے دلی کیفیت اور قلبی نیت کو قبول کرنے کی ایک واضح مثال حضرت موسی علیہ السلام کا قصہ ہے جس کو خود قرآن مجید نے نقل کیا ہے:وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفاً قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِيَ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الألْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُواْ يَقْتُلُونَنِي فَلاَ تُشْمِتْ بِيَ الأعْدَاء وَلاَ تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ(١٥٠)قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.[29]

اور موسیٰ علیہ السلام جب غصّے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف پلٹے۔ آتے ہی انھوں نے کہا" بہت بری جانشینی کی تم لوگوں نے میرے بعد! کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا کہ اپنے ربّ کے حکم کا انتظار کر لیتے؟" اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ کر اسے کھینچا۔ ہارون نے کہا" اے میری ماں کے بیٹے، اِن لوگوں نے مجھے دبا لیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے، پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے نہ شامل کر. تب موسیٰ نے کہا" اے ربّ، مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، تو سب سے بڑھ کر رحیم ہے

پھر فرمایا:وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الأَلْوَاحَ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِهِمْ يَرْهَبُونَ.[30]

28-احمد بن علی ابن حجر،فتح الباري، ج۱۱، ص۱۰۸ و ۳۱۴

29-الاعراف ۷: ۱۵۰-۱۵۱

30- الاعراف ۷ : ۱۵۴

پھر جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے وہ تختیاں اٹھالیں جن کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں.

دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ :

- موسی علیہ السلام نے کوہِ طور سے ملنے والی، اللہ کے کلام کی الواح کو نیچے پھینک دیا وہ مقدس الواح گرنے کے بعد ٹوٹ گئیں۔
- اپنے بڑے بھائی کی داڑھی اور سر کو پکڑ کر جھنجھوڑا اور اپنی طرف کھینچا.
- اللہ تعالی کے نبی ھارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کو پکڑ کر جھنجھوڑا اور اپنی طرف کھینچ کر ان کو اذیت پہنچائی.

اور یہ تینوں باتیں نہ صرف یہ کہ گناہ ہیں بلکہ ان کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے.

لیکن اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اس کے باوجود موسی علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہی کیا ہے، کہیں ان باتوں کی وجہ سے ان پر نکیر یا ناراضی کا اظہار نہیں کیا.

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمایا کہ ملک الموت جب موسی علیہ السلام کی روح قبض کرنے آیا تو انھوں نے چانٹا رسید کر کے اس کی آنکھ نکال دی.[31]

یہ ساری باتیں، توہین مقدسات میں شمار ہوتی ہیں اور انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کرتی ہیں. لیکن اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام پر کوئی ناراضی یا نکیر ذکر نہیں فرمائی. البتہ قرآن مجید نے یہ تذکرہ ضرور کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو از خود احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی، لہٰذا بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب میری مغفرت فرمادے اور میرے بھائی کی بھی اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمادے اور آپ ارحم الراحمین ہیں.

معلوم ہوا کہ توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر از خود احساسِ ندامت، توبہ اور اللہ تعالی سے مغفرت کی دعا کافی ہونا چاہیے. یہ اصول اگرچہ حضرت موسی علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے لیکن یہ ہر مسلمان کے لیے عام ہے کہ اگر توہین رسالت کی نیت و قصد نہ ہو، اور توہین کا فعل شدتِ غیرت و جذبات میں سرزد ہو، اور بعد میں از خود احساسِ ندامت، یا کسی کے توجہ دلانے پر توبہ و استغفار کر لے تو وہ اللہ تعالی کی طرف سے معافی کا مستحق ہے. اور احناف کا توہین رسالت کی وجہ سے ارتداد میں یہی موقف ہے کہ توبہ و استغفار سے معافی مل جائے گی.

31۔ بخاری، بَابُ مَنْ أَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّ سَةِ أَوْنَحْوِهَا: ح ۱۳۳۹

امام ابن قیم الجوزیہ نے اپنے شیخ ابن تیمیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ اکثر یہ فرماتے تھے کہ سچے وفادار اور مخلص محب کو بسا اوقات اس کی عظیم خدمات، وفاداري، اور قربانی وثابت قدمی کی وجہ سے بہت کچھ معاف کر دیا جاتا ہے، اور پھر فرماتے: "حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نگاہ میں لاؤ اللہ تعالی کے دست سے لکھے ہوئے کلام الٰہی پر مشتمل ان تختیوں کو پھینک دیا جنہیں وہ کوہ طور سے لے کر آئے تھے، وہ الواح ٹوٹ گئیں، اور اپنے جیسے اللہ تعالی کے نبی اپنے حقیقی بڑے بھائی حضرت ھارون علیہ السلام کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچا، ملک الموت کی آنکھ کو تھپڑ مار کر پھوڑ دیا، معراج کی رات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو احکامِ نماز میں تبدیلی کی درخواست کے لیے اکسایا اور بار بار اللہ تعالی کے پاس واپس بھیجا، اللہ رب العالمین یہ سب کچھ نہ صرف یہ کہ برداشت کرتے رہے بلکہ منصب نبوت ورسالت کے ساتھ، محبت واکرام کا تعلق بھی برقرار رکھا؛ وجہ یہ تھی کہ سب سے بڑے دشمن خدا—فرعون- کے دربار میں دعوت وحق گوئی، اور مصری قبطیوں کے ساتھ اپنی قوم بنی اسرائیل میں بھی دعوت الی اللہ کا کام عمدہ طریق سے کیا، ان جلیل القدر خدمات کے مقابلہ میں ان جوشیلی حالتوں کا کوئی وزن نہیں تھا جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

وَإِذَا الْحَبِيبُ أَتَى بِذَنْبٍ وَاحِدٍ ... جَاءَتْ مَحَاسِنُهُ بِأَلْفِ شَفِيعِ [32]

جب کسی محبوب شخصیت سے کبھی کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس کا پورا کارنامۂ زندگی، خوبیاں اور سابقہ خدمات ہزار سفارش کنندہ کے طور پر آجاتے ہیں.

اور کبھی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اسلام قبول کرتے وقت، اپنی جہالت وناواقفی کی وجہ سے قصداً ایسے الفاظ استعمال کرے جو درحقیقت اسلام قبول کرتے ہوئے نہیں کہے جاتے، اور کلماتِ کفر ہیں، لیکن چونکہ ایمان لانا اور اسلام قبول کرنا مقصود تھا، اس لیے شریعت نے اس ادنی اور کمزور تر دلیل کو بھی ایمان کے حق میں قبول کر لیا، جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے کہ انھوں نے قبیلہ بنو جذیمہ کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے "صَبَأْنَا صَبَأْنَا" یعنی ہم "صابئ ہوئے" کے الفاظ استعمال کیے، حضرت سالم، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا خالد نے انہیں

32-مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين، ج١، ص٣٣٧، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ان آیات وواقعات پر توہین کے پہلو سے گفتگو کے لیے ملاحظہ ہو: تفسير روح المعاني/ ،تفسير المنار /، مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين، ج١، ص٣٣٧، تاليف: محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية، تحقيق: محمد المعتصم بالله البغدادي، (بيروت ،دار الكتاب العربي-، ١٤١٦ هـ - ١٩٩٦م)

دعوت اسلام دی توانہوں نے یہ دعوت قبول کرلی مگر اپنی زبان سے انہوں نے ہم مسلمان ہو گئے کہنے کو اچھا نہ سمجھا تو یوں کہنے لگے کہ ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا مگر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں قتل وقید کرنے لگے اور قیدیوں کو ہم میں سے ہر ایک کے حوالے کر دیا ایک دن حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں اپنے اپنے قیدی قتل کر دینے کا حکم دیا تو میں نے کہا اللہ کی قسم! نہ میں اپنے قیدی کو اور نہ میرے ساتھی اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کریں گے یہاں تک کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آ گئے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بری ہوں.[33]

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

(..فَقَالُوا صَبَأْنَا أَسْلَمْنَا فَلَمْ يَقْبَلْ خَالِدٌ ذَلِكَ مِنْهُمْ وَقَتَلَهُمْ بِنَاءً عَلَى ظَاهِرِ اللَّفْظِ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ فَأَنْكَرَهُ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ يُكْتَفَى مِنْ كُلِّ قَوْمٍ بِمَا يُعْرَفُ مِنْ لُغَتِهِمْ وَقَدْ عَذَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُعَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ فِي اجْتِهَادِهِ وَلِذَلِكَ لم يقد مِنْهُ).[34]

یعنی ان لوگوں نے صبانا کہہ کر اسلام قبول کرنا ہی مراد لیا تھا، لیکن حضرت خالد بن ولید نے اس ذو معنی لفظ کو قبول نہ کیا اور ظاہر لفظ کی بنا پر ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس کو ناپسند کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر قوم سے ان کی زبان میں معروف ومتداول الفاظ کو انہی معنوں میں قبول کیا جائے گا. اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو اجتہادی غلطی کی وجہ سے قصاص سے معاف کر دیا.

6. ظاہری صورت حال اگر ایمان کے حق میں ہو تو نیتوں کو ٹٹولنے یا دلوں میں اترنے کے بجائے ظاہر کو قبول کر لیا

اس قاعدہ یا اصول کی مثال حضرت اسامہ بن زید اور بنو سلیم قبیلہ کے چرواہے کا قصہ ہے. حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ امام مسلم نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ میں بھیجا تو ہم صبح صبح جہینہ کے علاقہ میں پہنچ گئے میں نے وہاں ایک آدمی کو پایا اس نے کہا لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ، میں نے اسے قتل کر دیا پھر میرے

33- محمد بن اسماعیل البخاری، الصحیح، كتاب المغازي، باب بعث النبي خالد بن الوليد إلى بني جذيمة: ح۳۹۹۴

34- فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۶، ص ۲۷۴

دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہوا کہ میں نے مسلمان کو قتل کیا یا کافر کو؟ تو میں نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا اس نے لَاإِلٰہ إِلَّا اللہ کہا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نے تو یہ کلمہ تلوار کے ڈر سے پڑھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار یہی کلمات دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ تمنا ہونے لگی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا.[35]

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ بنو سلیم قبیلہ کا ایک آدمی بکریوں کا ریوڑ لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ایک جماعت کے قریب سے گزرا اور ان پر سلام کیا، تو انھوں نے یہ سوچ کر کہ اس نے تو اپنے آپ کو بچانے کے لیے سلام کیا ہے! اٹھ کر اس قتل کر دیا اور اس کا بکریوں کا ریوڑ مال غنیمت کے طور پر ہانک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو اس پر یہ آیت اتری: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَبَيَّنُواوَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِناً تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُواْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً.[36] اے ایمان والو! جب تم زمین میں کہیں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام کرے اس کو یہ مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو، تم دنیوی مال و متاع کی طلب میں ہو تو یاد رکھو کہ اللہ تعالی کے پاس بے حد وحساب غنائم ہیں، آخر تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے، اب تحقیق کر لیا کرو، جو تم کرتے ہو اللہ تعالی کو اس کی خبر ہے.

اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ نبی ﷺ نے منافقین کا ظاہری دعوی ایمان قبول فرمایا اور ان کی نیتوں یا دلی ارادوں کی کھوج میں نہیں پڑے، اور پورے عہد نبوت میں منافقین کا شمار مسلمانوں میں ہی ہوتا تھا وہ جہاد، نماز، روزہ سب عبادات میں بطور مسلمان حصہ لیتے تھے، اس لیے کہ مسلمان ظاہر کو دیکھ کر معاملہ کرنے کے پابند ہیں، باطن اور نیت یا قصد وارادہ کو اللہ تعالی کے سپرد کر دینا چاہیے.[37]

عقیدہ وایمان کی طرح عدالتی امور میں بھی قاضی اور جج یا ثالث حضرات بھی اسی قاعدہ کے پابند ہیں کہ بظاہر دلیل کی روشنی میں قاضی جس چیز پر مطمئن ہو جائے اسی کے مطابق فیصلہ کر دے، اگرچہ وہ حقیقی صورت حال کے برعکس ہی کیوں نہ ہو، اس ھدایت کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنھا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا آپ نے فرمایا: میں

35-قشیری، باب تحريم قتل الكافر بعد أن قال لاإله إلا الله: ح۱۴۰

36-أحمد، المسند، مسندعبد الله بن عباس رضي الله عنه: ح۱۹۱۹والآية من سورة النساء:۹۴

37-شرح النووي على صحيح مسلم، ج۱۶، ص۱۳۹

بھی انسان ہوں، میرے پاس فریقین مقدمہ اپنی باتیں پیش کرتے ہیں تو ان میں سے کوئی زبان آور ہو سکتا ہے جو محض اپنے زورِ بیان سے مجھے اپنی سچائی کا قائل کرلے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں، تو ایسی صورت میں اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ میں اس کے لیے جہنم کی آگ کا ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں، اس کی مرضی لے لے یا اس کو صاحب حق کے لیے چھوڑ دے۔[38]

7. قول و فعل میں کفر و فسق کا احتمال ہو تو صاحبِ قول سے اس کی نیت کا پوچھنا لازم ہے

جب کسی انسان کے قولی و فعلی تصرف میں کفر و فسق کا احتمال پایا جائے تو فورا عجلت میں اس پر فتوی لگانے کے بجائے اس سے اس کی نیت اور قصد و ارادہ کے متعلق پوچھنا ضروری ہے، اپنی نیت اور قصد و ارادہ وہ خود ہی بتا سکتا ہے، کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی کی نیت بتائے، اگر متعلقہ شخص پوچھے جانے پر کفر و ضلال والا احتمال قبول کرلے تو معاملہ واضح ہو گیا، اگر تردید کردے تو اس کی تردید معتبر ہو گی اور قبول کی جائے گی، البتہ اگر وہ خاموش رہے یا اس سے رابطہ ممکن نہ ہو تو وہ خاموش شمار ہو گا اور اس کی جانب کفر وضلال کی نسبت درست نہ ہو گی۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ: "لَایُنْسَبُ إِلَی سَاکِتٍ قَوْلٌ".[39]

اس کی دلیل حضرت حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں حیرہ (کوفہ کے قریب ایک جگہ) میں آیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان کے مقابلہ میں تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا جائے۔ پھر جب میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو میں نے کہا۔ میں حیرہ گیا تھا اور میں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے مقابلہ میں اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا بھلا کیا تو جب میری قبر پر آئے گا تو سجدہ کرے گا؟ میں نے کہا نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ (تو پھر زندگی میں بھی کسی کو سجدہ نہ کرو) (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

38-قشیری، کتاب الأقضیة، باب الحکم بالظاهر واللحن بالحجة: ح ۳۲۳۲ و. ملاحظہ ہو: شرح النووي علی صحیح مسلم، ج ۱۲، ص ۵

39-الأشباه والنظائر للسیوطي ص: ۱۶۲ و لابن نجیم ص: ۱۵۴ و مجلة الأحکام العدلیة ص: ۶۷

مزید فرمایا) اگر میں کسی کے لیے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔اس حق کی بنا پر جو اللہ تعالی نے ان پر مقرر کیا ہے۔[40]

دوسری دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جس کو حضرت عبداللہ بن اوفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ جب شام سے آئے تو نبی اکرم کو سجدہ کیا آپ نے فرمایا معاذ! یہ کیا؟ عرض کیا میں شام گیا تو دیکھا کہ اہل شام اپنے مذہبی اور عسکری رہنماؤں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرے دل کو اچھا لگا کہ ہم آپ کے ساتھ ایسا ہی کریں تو اللہ کے رسول نے فرمایا! آئندہ ایسا نہ کرنا اس لیے کہ اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرے تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کو سجدے کرے۔[41]

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص سے کفر وشرک کا احتمال رکھنے والے افعال کا صدور ہو، تو فتوی یا حکم لگانے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اس سے اس کا قصد وارادہ اور نیت معلوم کرنا ضروری ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہٗ کو فوراً کافر و مرتد قرار نہیں دیا بلکہ طلب کرکے ان سے حقیقی صورت حال کی وضاحت پوچھی، اسی واقعہ کی طرف اللہ تعالی نے اشارہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ.[42]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اگر میری راہ جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ مت اپنے رب، اللہ پر ایمان لاؤ۔ تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔

40-ابوداود، السنن، النکاح، باب في حق الزوج على المرأة: ح۱۸۲۸

41-ابن ماجه، السنن، باب حق الزوج على المرأة: ح۱۸۴۳

42-الممتحنة۶۰:۱

یہ آیات حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے زبیر اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجااور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایاتم لوگ جاؤ حتیٰ کہ (مقام) روضہ خاخ تک پہنچو۔ وہاں تمہیں ایک کجاوہ نشین عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہوگا، وہ خط اس سے لے لو، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھوڑے تیزی کے ساتھ ہمیں لے اڑے حتیٰ کہ روضہ خاخ پہنچ گئے، وہاں ہمیں ایک کجاوہ نشین عورت ملی، ہم نے اس سے کہا خط نکال، اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں، ہم نے اس سے کہا کہ یا تو خط نکال دے ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار (کر تلاشی) لیں گے، تو اس نے اپنی چوٹی میں سے خط نکالا، ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو اس میں لکھا ہوا تھا حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے مشرکین مکہ کے نام، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض معاملات (جنگ) کی اطلاع دے رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب سے فرمایا، حاطب یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ! مجھ پر جلدی نہ کیجیے، میں ایسا آدمی ہوں کہ قریش سے میرا تعلق ہے، یعنی میں انکا حلیف ہوں اور میں ان کی ذات سے نہیں اور آپ کے ساتھ جو مہاجر ہیں، ان سب کے رشتہ دار ہیں جو ان کے مال، اولاد کی حمایت کر سکتے ہیں، چونکہ ان سے میری قرابت نہیں تھی اس لیے میں نے چاہا کہ ان پر کوئی ایسا احسان کر دوں جس سے وہ میری رشتہ داری کی حفاظت کریں اور یہ کام میں نے اپنے دین سے پھر جانے اور اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، دیکھو، حاطب نے تم سے سچ سچ کہہ دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن مار دوں، آپ نے فرمایا (نہیں نہیں کہ) یہ بدر میں شریک تھے اور تمہیں کیا معلوم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حاضرین بدر کی طرف التفات کر کے فرمایا تھا، کہ تم جو تمہارا جی چاہے، عمل کرو کہ میں تمہیں بخش چکا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ، اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ تم ان سے اپنی محبت ظاہر کرو، آخر آیت (فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ) تک۔[43] اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ محض قیاسات و گمان اور جوش و جذبات کے زیرِ اثر، کسی کے کفر وارتداد کا فیصلہ نہ کیا جائے گا۔

43-بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب الجاسوس:ح۲۷۸۵

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط لکھنے میں کیا مقصد تھا؟اس میں کئی احتمال موجود ہیں اس کا اصل مقصد وہ بھی ممکن تھا جس کو انھوں نے خود بیان کیا کہ انھوں نے اسلام میں شک و تردد یا ارتداد کی وجہ سے نہیں لکھا بلکہ صرف اپنے خاندان اور مفادات کو ایک طرح کا تحفظ مہیا کرنا مقصود تھا. یعنی یہ محض ایک غلطی اور لغزش کا ارتکاب تھا اسلام سے پلٹ جانے کا تصور بھی نہ تھا.

ایک احتمال یہ بھی تھا کہ -نعوذ باللہ- وہ دین وایمان کو ترک کر کے کفر و شرک اختیار کر رہے ہیں. ایسی صورت میں فیصلے کے لیے انہی کی طرف رجوع کر کے اصل صورت حال معلوم کرنا ضروری تھا. چنانچہ یہی ہوا،ان کو بلا کر استفسار کیا گیا،اور انھوں نے جو مقصود اور نیت بتائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو قبول کرنے کا حکم دیا اور اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا -جوش و غیرت ایمانی پر مبنی- موقف بھی تسلیم نہ کیا کہ ان کا اسلام محض نفاق ہے جس پر یہ قابل گردن زدنی ہیں. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ ان کا موقف قبول کیا بلکہ ان کی سابقہ خدمات کا کھلے عام اعلان کیا، بلکہ ایک ضمنی بشارت بھی دی کہ اللہ تعالی نے بدر میں شرکت کے طفیل ان کی مغفرت فرمادی.

حضرت حاطب رضی اللہ تعالی عنہ کے معاملہ میں کفر وارتداد کے مسئلے میں ملزم سے استفسار اور قصد ونیت معلوم کرنے اور پھر اسی کے قول کو معیار ماننے کی یہ ایسی مثال ہے جس سے کوئی صاحب ایمان انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتا. کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات اس لیے مان لی کہ آپ کو ان کی سچائی کا وحی کی بنیاد پر یقین ہو گیا تھا. نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کے تصرف میں کوئی احتمال تھا.

ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں کوئی تضاد نہیں، آپ نے ہمیشہ فیصلہ ظاہر پر ہی کیا، منافقین کے نفاق و کفر کو آپ یقینی طور پر جانتے تھے لیکن آپ نے ہمیشہ ان کی جان بخشی کی - ظاہر کی بنیاد پر- اور حضرت حاطب کی جان بخشی بھی ان کے بیان کردہ ظاہری صورت حال پر کی.[44] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل تقریبا پوری سیرت میں واضح نظر آتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طرزِ عمل سے فقہاو محدثین نے ایک شرعی قاعدہ اخذ کیا جو تقریبا سب فقہی مذاہب میں معتبر مانا جاتا ہے: نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ واللَّه يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ".[45]

44-امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کی شرحِ حدیث :الأم،باب المسلم يدل المشركين على عورة المسلمين،ج۴،ص۲۵۰-۲۴۹

45-اس قاعدہ کو اکثر لوگوں نے مرفوع حدیث کے طور پر بیان کیا ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں لیکن اس میں بیان شدہ مضمون اہل علم کے ہاں متفق علیہ ہے اور یہ ایک قاعدہ کے طور پر درست اور مسلم ہے.ملاحظہ ہو: مفاتيح الغيب تفسير رازی،ج۱۲ص۴۵۷،واللباب في علوم الكتاب،ج۱۲،ص۲۸۲،ج ۱۲،ص ۵۴۹لأبی حفص سراج الدين عمربن علي بن (دارالكتب العلمية - بيروت، ۱۴۱۹ ھ -۱۹۹۸م)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے جو کچھ کیا اس سے یقینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ امت کے عام افراد کو بھی اذیت ونقصان کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ ایک دفاعی راز دشمن کے علم میں لایا گیا تھا لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلد بازی اور فوری فیصلہ کے بجاے ان کو بلایا ان کا موقف سنا، صفائی کا بھرپور موقع دیا، جس میں انھوں نے اپنے مرتد ہونے کی تردید کی.

اس طرح کی صورت حال میں آپ کے سامنے تین ہی امکانات ہوتے ہیں:

اول: یہ کہ ملزم کے سامنے اس کے تصرف سے، فوری سمجھ میں آنے والا مفہوم اور اس کے نتائج رکھے جائیں تو وہ اس مفہوم کو نتائج سمیت قبول کر لے کہ یہی اس کا مقصود تھا.

دوم: یہ کہ ملزم کے سامنے اس کے تصرف سے، فوری سمجھ میں آنے والا مفہوم اور اس کے نتائج رکھے جائیں تو وہ اس مفہوم کی تردید کر دے کہ یہ مفہوم اور اس کے لازمی نتائج، اس کا مقصود نہیں تھا.

سوم: یہ کہ ملزم تصدیق یا تردید کے بجاے خاموشی اختیار کرے.

تیسری صورت میں مشہور فقہی قاعدہ "لَا يُنْسَبُ إِلَى سَاكِتٍ قَوْلٌ"[46] کے مطابق اس کی طرف کوئی موقف منسوب کرنا درست نہ ہوگا، بلکہ ایک دوسری شرعی قاعدہ "الأَصْلُ بَقَاءُ مَا كَانَ عَلَى مَا كَانَ" پر عمل کیا جائے گا. کہ وہ مسلم تھا، اور کفریہ مفہوم کے محتمل تصرف کا کفریہ مفہوم اس نے قبول نہیں کیا، اس لیے وہ اپنی پہلی حالت " ایمان" پر ہی شمار ہوگا.

8. انسان کی نیت کا علم اللہ تعالی کو ہے یا وہ خود بتائے نہ کہ کوئی دوسرا

قبل ازیں ہم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، اور دوسرے صحابہ کرام کے نبی کریم کو سجدہ کرنے کے واقعات، اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ نقل کر چکے ہیں. انہی واقعات اور نصوص جیسی بے شمار دلیلیں قرآن وسنت میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی نیت اور قصد وارادہ کو اس کے کفر وایمان میں کسوٹی کا درجہ حاصل ہے.

ذیل میں چند مزید احادیث نقل کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی نے یمن کا کچھ سونا مٹی میں ملا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چار آدمیوں اقرع

46-الأشباه والنظائر للسيوطي ص: ١٦٢ او لابن نجيم ص: ١٥٤ او مجلة الأحكام العدلية ص:٦٧

بن حابس حنظلی، عیینہ بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری(قبیلہ بنی کلاب) اور سیاور زید الخیر عطائی (قبیلہ بنی نبہان میں سے) پر تقسیم فرمایا، توقریش اس بات پر ناراض ہوئے اور کہا کہ آپ نجد کے سرداروں کو دیتے اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں، تورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایسا ان کی تالیفِ قلبی کے لیے کیا پھر ایک آدمی گھنی داڑھی اور پھولے ہوئے رخسار، آنکھیں اندر گھسی ہوئی اور اونچی جبین والے مونڈے ہوئے سر والے نے آکر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ سے ڈرو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو اللہ کی فرمانبرداری کرے یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے مجھے امین بنایا اہل زمین پر اور تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے وہ آدمی چلا گیا تو قوم میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت طلب کی جو کہ غالباً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ"

مجھے کسی انسان کے دل میں اتر کر دیکھنے یا لوگوں کے پیٹ چیر کر حقیقت معلوم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

پھر فرمایا: اس آدمی کی نسل سے ایک قوم پیدا ہو گی جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا اہل اسلام کو قتل کریں اور بت پرستوں کو چھوڑیں گے وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے اگر میں ان کو پاتا تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کرتا.[47]

امام نووی اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: یعنی مجھے ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہے، باطن اور اندرون کو اللہ تعالی کے سپرد کر دینا چاہیے.[48]

حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیار فرماتے ہیں کہ مجھے ایک انصاري نے بتایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مجلس میں گئے اور سرگوشی کے انداز میں ایک منافق کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بآوازِ بلند فرمایا: کیا وہ کلمہ شہادت کے ذریعے اللہ تعالی کی وحدانیت کی گواہی نہیں دیتا؟ انصاری صحابی نے عرض کی: کیوں نہیں یارسول اللہ، لیکن اس کی اس شہادت کا کوئی اعتبار نہیں. پھر فرمایا: کیا وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی گواہی نہیں دیتا؟ عرض کی: کیوں نہیں یارسول اللہ وہ گواہی ضرور دیتا ہے لیکن اس کی یہ شہادت قابل اعتماد

47-محمد بن اسماعیل، الصحیح، کتاب المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب و خالد بن الوليد إلى اليمن: ح۴۰۰۴، و مسلم، الصحیح، الزكاة، باب ذكر الخوارج: ح۱۷۶۳

48-شرح النووي على صحيح مسلم، ج۷، ص۱۶۳

نہیں. پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ عرض کیا: کیوں نہیں یارسول اللہ لیکن اس کی کوئی نماز نہیں .اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قتل کرنے سے اللہ تعالی نے مجھے منع کیا ہے.[49]

امام نووی کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو قتل نہیں کیا کیونکہ وہ بظاہر مسلمان تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا اور نیت و باطنی قصد کو اللہ تعالی پر چھوڑنے کی ہدایت دی گئی.[50]

9. اعتقادی اور عملی کفر و شرک میں فرق

کفر و ایمان، شرک و توحید، بدعت و سنت کا باہمی تعلق تو اضداد کا ہے لیکن قرآن و سنت پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ایک ہی شخص میں بعض اوقات توحید کے ساتھ شرک، سنت کے ساتھ بدعت، ایمان کے ساتھ کفر، فسق و معصیت کے ساتھ طاعت و تسلیم جمع ہے. ایک ہی شخص میں باہمی متضاد ان چیزوں کا اجتماع ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں. خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایسی شخصیات کا وجود پایا جاتا تھا، جن میں یہ تضادات جمع تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان و توحید، سنت اور طاعت و تسلیم کو کفر و شرک، بدعت، فسق و معصیت پر ترجیح دی، اور اس کی اصل وجہ اور بنیاد دو باتیں تھیں:

اول یہ کہ کفر کا لفظ کتاب و سنت میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

1 ایمان و توحید کی ضد و مقابل، عام طور پر قرآن و سنت میں اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے.

2 کفرانِ نعمت، شکر کی ضد و مقابل. اس مفہوم میں بھی قرآن میں استعمال ہوا.

3 اعلان براءت ولاتعلقی

4 بمعنی انکار و جحود

5 پردہ پوشی و ستر، چھپانا۔ یہ کفر کا عربی زبان میں اصل اور بنیادی مفہوم ہے.[51]

دوم: یہ کہ شرعی کفر جس سے آدمی دائرہ ملت سے خارج اور باہر ہو جاتا ہے وہ صرف کفر اکبر ہوتا ہے نہ کہ کفر اصغر. اور یہ بات ایک حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتقادی کفر و شرک، اور عملی کفر و شرک اور بدعت و معصیت میں فرق کیا، منافقین کے ساتھ آپ کا معاملہ اس کی واضح مثال ہے، کہ ان میں کفر و شرک اور معاصی کا وجود ایک حقیقت

49-مسند امام احمد بن حنبل، مسند عبيد الله بن عدي الأنصاري رضي الله عنه:ح٢٢٥٥٩

50-شرح النووي على صحيح مسلم،ج١٦،ص١٣٩

51-ابن جوزي،جمال الدين أبوالفرج عبدالرحمن بن علي (م: ٥٩٧هـ) نزهة الأعين النواظر في علم الوجوه والنظائر،تحقيق: محمدعبدالكريم كاظم الراضي،(مؤسسة الرسالة - لبنان/ بيروت، ١٤٠٤هـ - ١٩٨٤م)ص ٥١٦

تھی لیکن دوسری طرف وہ بیشتر ظاہری اعمال - نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ- میں عملی طور پر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے تھے. اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسلمان شمار کر کے ان کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا. آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرق ملحوظ رکھنا شریعت کی دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں تھا،اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُفَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالأَنْفَ بِالأَنْفِ وَالأُذُنَ بِالأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ[52] اور فرمایا:وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُفَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ [53]

ان آیات میں اپنے جھگڑوں کے فیصلے اللہ تعالی کے نازل کردہ احکام و قوانین کے مطابق نہ کرنے والوں کو کافر، ظالم،اور فاسق قرار دیا گیا ہے. اگر ظاہری مفہوم کو لیا جائے تو موجودہ زمانہ میں مسلمان ممالک کی اکثریت کا عدالتی نظام اور قوانین استعمار سے لیے گئے ہیں اس لیے وہ دائرہ ملت سے خارج اور باہر ہو جاتے ہیں. اور اکثر تکفیریوں کا یہی موقف ہے مسلمان ممالک کے حکمران دائرہ ملت سے خارج ہیں اس لیے ان کے خلاف تلوار سے جہاد و لڑائی واجب ہے. لیکن ان کا موقف اس لیے درست نہیں کہ انھوں نے عملی اور اعتقادی کفر میں فرق نہیں کیا، حالانکہ یہ فرق نصوص نے کیا اور صاحب وحی نے اس کو ملحوظ رکھا.

10. کسی متعین فرد کو کافر قرار دینے کے لیے شروط کا وجود اور موانع کا نہ ہونا لازمی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ قاعدہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ کچھ اعمال و اقوال کو شریعت میں کفر قرار دیا گیا ہے. اور ان کا حکم ہمیشہ یہی ہوگا اور ان کا مرتکب کافر ہوگا. یہ عمومی بات سو فیصد درست ہے، البتہ ان اعمال و اقوال کا کوئی متعین مرتکب یا فاعل ضروری نہیں کہ کافر ہو جائے اس لیے کہ ان اعمال کے متعین مرتکب پر کفر کا حکم لگانے کے لیے کچھ شروط کا وجود اور رکاوٹوں موانع کا عدم وجود لازمی قرار دیا گیا ہے.

---

[52]- المائدۃ:۴۵

[53]- المائدۃ:۴۷

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ایک حدیث میں شراب کے سلسلہ میں دس افراد پر لعنت کی تصریح فرمائی جن میں: شراب، اس کو پینے والا، اس کا ساقی (پلانے والا) فروخت کنندہ، خریدار، شراب ساز، جس کے لیے تیار کیا گیا، نقل وحمل میں کام کرنے والا، جس کے لیے منتقل کیا گیا؛ شامل ہیں.[54]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو شراب نوش پر لعنت فرمائی. لیکن جب عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ نام اور حمار لقب والے ایک متعین شخص کو بار بار جرم شراب نوشی میں آنحضور کے سامنے پیش کیا گیا، تو بعض صحابہ کرام نے ان پر لعنت بھیجی، تو آپ نے سختی سے منع فرمایا: (لَا تَلْعَنُوهُ؛ فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ)[55] اس پر لعنت مت بھیجو، کیونکہ یہ میرے علم میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے.

اسی طرح شدت مسرت میں اپنے آپ کو رب، اور اللہ تعالی کو عبد قرار دینے والے مسافر کی حدیث، اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے حیرہ سے واپسی اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کے شام سے واپسی پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے، اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے دشمن کے لیے مخبری کے واقعات ہم نقل کر چکے ہیں، کہ کفر وخیانت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا، کیونکہ شروط وموانع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر تھی. اس لیے عین ممکن ہے کہ کوئی فعل، شرعا ثابت شدہ یقینی کفر، شرک، بدعت یا معصیت ہو لیکن اس کا فاعل کسی شرط کے عدم وجود یا کسی مانع (رکاوٹ) کے وجود کی وجہ سے مسلم ہی رہے، کافر اور مرتد یا مبتدع و عاصی نہ ہو. یعنی فعل اور فاعل کا حکم بالکل ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہو.

تکفیر کے لیے لازمی شرائط وموانع

اب ہم ذیل میں ان شرائط وموانع کو ذرا وضاحت سے بیان کریں گے.

ا۔ عقل اور ہوش وحواس

ان شرائط میں سب سے اولین شرط عقل وشعور اور ہوش وحواس کا موجود ہونا شرط اور اس کی ضد " جنون" مانع یعنی رکاوٹ ہے. گویا کسی مسلمان شخص کو کافر قرار دینے کے لیے اس کا عاقل ہونا شرط ہے جس کی عدم موجودگی میں مشروط کا وجود بھی کالعدم ہوگا. اور عقل کی ضد " جنون" تکفیر مسلم میں مانع ہے.

54-ابوداود، سنن ابی داود، کتاب الأشربة، بَابُ الْعِنَبِ يُعْصَرُ لِلْخَمْرِ: ح٣٦٧٤

55-مسند أبي يعلى الموصلي، ج١، ص ١٦١۔ ح ١٧٦ اس حدیث کے راوی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں.

۲۔ بلوغت

دوسری شرط بلوغت ہے، اور اس کی ضد نابالغ ہونا مانع ہے، لہذا بچے اور کسی بھی نابالغ پر ارتداد کا حکم نہیں لگ سکتا.

۳۔ علم تیسری شرط علم، اور اس کی ضد جہالت مانع ہے، لھذا اگر کوئی شخص کسی قولی یا فعلی کفر کا ارتکاب لاعلمی اور جہالت میں کر بیٹھے تو شرطِ علم کے فقدان اور مانع جہالت کے وجود کی وجہ سے اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا. اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے مروي ایک حدیث میں ایک گناہ گار کا قصہ بیان ہوا جس میں اس نے بچوں کو وصیت کی کہ اس کی لاش جلا کر راکھ ہوا میں اڑادیں، تاکہ اللہ تعالی اس کو عذاب نہ دے سکیں، اس نے بعث وقدرت الہی کا انکار کیا جو کفر ہے، لیکن آخرت میں اس کی مغفرت ہو گئی کیونکہ لاعلمی وجہل کی وجہ سے اس نے یہ گمان کیا کہ اس طرح وہ حساب وعذاب سے بچ جائے گا. اور اس کی لاعلمی گویا مانع بن گئی اور اس شخص کا ایمان معتبر مان کر اس مغفرت کر دی گئی.

۴۔ ارادہ واختیار

چوتھی شرط ارادہ واختیار ہے اور اس کی ضد "جبر واِکراہ" مانع ہے. گویا جس نے کفر کا ارتکاب جبر واکراہ کی وجہ سے کیا، اس کو مرتد نہیں قرار دیا جائے گا. اس ضمن میں حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کا قصہ ہم ذکر کر چکے ہیں، جس کا تذکرہ اشارۃ قرآن مجید میں بھی آیا ہے.

۵۔ تاویل واجتہاد

پانچویں شرط تاویل واجتہاد کا نہ ہونا ہے اور تاویل واجتہاد کا وجود تکفیر میں مانع ہے، لہذا اگر کسی نے کسی معقول تاویل یا غلط اجتہاد کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کیا، تو اس پر ارتداد کا حکم صادق نہیں آئے گا. حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کا قصہ گزر چکا کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا، لیکن تکفیر کا حکم نہ ہوا، اسی حضرت حاطب بن ابي بلتعہ رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا دفاعی راز دشمن تک پہنچایا ان دونوں واقعات میں مانع تاویل واجتہاد اور ایک عظیم نیکی: غزوہ بدر میں شرکت کا شرف ہے.

٦۔ قصد ونیت

چھٹی شرط قصد ونیت ہے، جس نے کوئی قول وفعل بغیر قصد ونیت کے کیا، مثلا: غفلت ونسیان، بے ہوشی، نیند اور غنودگی، یا کسی جذباتی (مسرت، خوف، غصہ کی) کیفیت میں کوئی کفریہ حرکت کی تو نیت کے فقدان کی وجہ سے اس شخص کو کافر قرار دینا درست نہیں ہوگا. قبل ازیں ہم، شدتِ مسرت میں کفریہ کلمات کہنے والے بیابان کے مسافر کی

حدیث ذکر کر چکے ہیں، جس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح وتعریف اور پسندیدگی کے ساتھ فرمایا. اور یہاں مانع عدمِ قصد ہے.

خلاصۂ کلام

اس مقالہ میں کسی مسلمان کے کفروارتداد کا فیصلہ کرنے کے لیے شرعی قواعد وضوابط اور اصول ومبادی پر بحث کی گئی ہے، جس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔

- اصولا،ہر انسان مسلم ہے،اور اس کا دین اسلام ہے، کفر بعد میں پیدا ہونیوالا ایک عارض ہے.
- دین وایمان کی حفاظت شریعت کا اولین اور سب سے اہم مقصد ہے.
- شریعت میں تکفیر میں جلد بازی،بے احتیاطی پر سخت وعید آئی ہے.
- تو ایمان کا یقین کفروارتداد کے شک سے ختم نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو بات یقینی طور پر ثابت ہو،وہ صرف یقین سے ہی ختم ہو سکتی ہے.
- شریعت کی نظر میں ایمان کی جو اہمیت ہے اس کے پیش نظر شارع نے کبھی ظاہر حال کو ترک کرکے دل کی نیت کو،ایمان کی خاطر قبول کر لیا اور کبھی ظاہری صورت حال اگر ایمان کے حق میں ہو تو نیتوں کو ٹٹولنے یا دلوں میں اترنے کے بجائے ظاہر کو قبول کر لیا. قول وفعل میں کفر وفسق کا احتمال ہو تو صاحب قول سے اس کی نیت کا پوچھنا لازمی ہے.اور انسان کی نیت کا علم اللہ تعالی کو ہے یا کوئی انسان خود اپنی نیت بتا سکتا ہے نہ کہ کوئی دوسرا. شارع نے نصوص میں اعتقادی اور عملی کفر وشرک میں فرق رکھا ہے. جس کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے.اور جب معاملہ کسی متعین شخص یا افراد کو کافر، مشرک قرار دینے کا ہو تو اس مقصد کے لیے کچھ شروط کا وجود ضروری ہے،اور اسی طرح کچھ موانع کا نہ ہونا بھی لازمی ہے.تکفیر کے لیے لازمی ان شرائط وموانع میں عقل اور ہوش وحواس میں ہونا، بلوغت،اور مکفرات کا علم ہونا، نیز یہ کہ اس نے اپنے آزاد ارادہ واختیار کے ساتھ ان کا ارتکاب کیا ہو.اور تاویل واجتہادی خطا نہ ہو،اور قصد ونیت بھی پائے جائیں.

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ :

کسی مسلمان کے عقیدہ،اور دین وایمان کا فیصلہ کرنا، صحافیوں، کالم نویسوں، ریڈیو یا ٹیلیویژن کے اینکرز، یا عامۃ الناس اور طلبہ کا کام نہیں بلکہ عام علما اور مفتی حضرات کو بھی اس میں حصہ نہیں لینا چاہیے، کیونکہ کفر وایمان کے مسائل کا فیصلہ کرنے کے لیے اجتہادی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے.

اور یاد رکھنا چاہیے کہ :

کسی قول وفعل یا رواج وعادت کو عمومی طور پر کفر وشرک، یا فسق وفجور اور ظلم، یا بدعت، یا قابل لعنت وپھٹکار، یا گناہ تسلیم کرنے یا قرار دینے سے اس کے مرتکب کسی خاص یا متعین شخص کو کافر، مشرک، یا فاسق، فاجر وظالم، یا ملعون، یا بدعتی قرار دینا درست نہیں جب تک سابق بیان کردہ چند شرائط کا وجود اور چند موانع کا عدم وجود یقینی نہ ہو.

اس ضمن میں کئی مزید قواعد اور اصول بھی ذکر کیے جا سکتے ہیں، لیکن بیان شدہ اصول وہدایات کافی ہیں کہ کسی مسلمان کی تکفیر وتفسیق یا مشرک بدعتی کہنے میں جلد بازی کے بجاے، احتیاط اور معاملہ فہمی سے کام لے کر شریعت کے مقصد کو پیش نظر رکھا جائے کہ دین اسلام میں لانا اور داخل کرنا، اور پھر، دین وایمان کی حفاظت کرنا اصل مقصود ہے، اور جلد بازی میں کسی کے عقیدہ پر حکم لگانا درست نہیں.